شورش کاشمیریؒ

چودھری افضل حقؒ، سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ اور مجلس احرار اسلام

میں نے اپنے سیاسی سفر کے لیے احرار کو منتخب کیا۔ میرے نہاں خانۂ خیال میں اُن کے اعمال و افکار کی سچائیوں کے بہت سے نقوش مرتسم ہو رہے تھے اور میں نے احرار میں شمول کا قطعی فیصلہ کر لیا۔

۲۷ر فروری ۱۹۳۹ء پہلا دن تھا کہ میں نے احرار میں شمول کا اعلان کیا۔ احرار رضا کاروں نے سنٹرل جیل (لاہور) سے رہائی پر جلوس نکالا، اگلے روز جلسہ کیا، مجھے سپاس نامہ پیش کیا۔ میں نے اپنے خیالات کے تغیر اور دورِ ماضی کے تجربات پر ایک نپی تلی تقریر کی۔ میں احرار کے ساتھ ہوں اور احرار ہی ایک ایسی جماعت ہے، جس کا سیاسی فکر اور سیاسی سفر میرے مذاق سے ہم آہنگ ہے۔(۱)

احرار میں شمول کے بعد عرصہ تک میں نے اوپرا پن محسوس کیا' دو وجہیں تھیں۔ ایک وجہ یہ تھی کہ ہر نئی فضا میں انسان کچھ دنوں اجنبی رہتا ہے، دوسری وجہ بعض احرار رہنماؤں کا روکھا پن تھا۔ میں احرار میں اس لیے شامل ہوا تھا کہ میرا ذہن غیر ملکی استبداد کے سخت خلاف تھا لیکن طبیعت میں اسلام بھی تھا۔ ان دونوں کا آمیختہ احرار تھے۔ اور اس وقت پاکستان کے موجودہ علاقوں میں اس خُو بُو کی اور کوئی جماعت نہ تھی۔ ناممکن تھا کہ میں ''اتحادِ ملت'' (۲) میں پلٹ کر جاتا۔ مسلم لیگ امراء کا تکیہ تھا...... ہفتوں سوچتا رہا۔ طبیعت میں شعر و انشاء کا ذوق تھا، چاہا قرطاس و قلم کی طرف لوٹ جاؤں، نومشق تھا تاہم یقین تھا کہ محنت ضرور پھل لاتی ہے۔ تاجور (نجیب آبادی)، احسان (دانش)، اختر شیرانی میری طبیعت کے میلان سے بہت خوش تھے۔ ان کا خیال تھا کہ میرے اندر ایک بڑا شاعر اور ایک بڑا ادیب بننے کی صلاحیتیں موجود ہیں۔ اللہ نے مجھے یہ جوہر عطا کیا ہے۔ اُس کا ہو جاؤں تو قدرت میرے لیے سروسامان پیدا کر دے گی لیکن زبان کو سیاسی چسکا پڑ چکا اور منہ کو اس کا خون لگ چکا تھا۔ دو تین ہفتہ ذہنی بحران میں رہا۔ چودھری افضل حق واحد شخص تھے۔ جن کا دل میرے معاملہ میں آئینہ تھا۔ وہ بہر حال چاہتے تھے کہ ابھروں' انہیں مسلمانوں میں سیاسی نوجوانوں کے خلا کا شدید احساس تھا۔ وہ میری سیاسی نشوونما چاہتے تھے' انہیں اپنے رفیقوں کے محسوسات کا بھی اندازہ تھا لیکن اس کے باوجود میری دلجوئی کرنے اور میرے اس احساس کو دور کرنے کی فکر میں تھے کہ میں کسی شاخ سے ٹوٹ کر ایک ایسی روش پر آ گیا ہوں جہاں مرجھانے کے سوا اور کوئی نتیجہ نہیں ہے۔

---

(۱) ''بوئے گل نالہ دل دودِ چراغِ محفل''۔ صفحہ ۱۸۶

(۲) مولانا ظفر علی خان کی جماعت جو مجلس احرار کے مقابل تحریک مسجد شہید گنج ۱۹۳۵ء میں بنی اور تحریک ختم ہوتے ہی دم توڑ گئی۔ شورش کاشمیریؒ احرار میں شمولیت سے قبل اتحاد ملت میں تھے۔ (مدیر)

غالباً تیسرے ہفتے لاہور میں ضلعی احرار کانفرنس ہوئی ۔تقریباً تمام احرار رہنماؤں سے تعارف ہوا لیکن میں اپنے اس احساس پر قابو نہ پاسکا کہ بعض رہنماؤں کے چہرے ناخوش تھے۔

چودھری افضل حق کانفرنس کے صدر تھے۔ میں نے اپنی تقریر میں شہید گنج کے مختلف المعنی اوراق پر تبصرہ کیا ۔سید عطاء اللہ شاہ بخاری بھی اس اجلاس میں موجود تھے۔ میں نے ان سے مصافحہ کرنا چاہا، ہاتھ بڑھایا تو سرد مہر پایا۔

شب کے اجلاس میں شاہ جی کی تقریر ہوئی ۔ میرا نام تو نہیں تھا لیکن میں ہی مورد تنقید رہا۔شکوہ انہیں یہ تھا کہ احرار پر عوام نے جو قہر وغضب توڑا ہے' اس کا مسئول میں بھی ہوں ۔ یہ شکوہ کسی حد تک بجا تھا اور غالباً ان کی برہمی کا باعث دو چیزیں تھیں ۔ پہلی چیز تو احرار کا وہ عنصر تھا جو میرے شمول سے ناخوش تھا۔ دوسری چیز میری تقریر کا ایک فقرہ کہ حالات کی بوقلمونی کے باوجود میری پختہ رائے یہی ہے کہ احرار نے شہید گنج کی تحریک میں حصہ نہ لے کر غلطی کی ہے۔ چودھری افضل حق شاہ جی کی تقریر شروع ہونے سے پہلے اٹھ کر چلے گئے ۔ایک وہی تھے جو انہیں ٹوک سکتے تھے۔ باقی لوگ سبحان اللہ یا جزاک اللہ تھے۔ میرے دو جگری دوست مسعود اختر اور چونی لال کاوش بھی جلسہ میں موجود تھے۔انہیں شاہ جی کے الفاظ سے رنج پہنچا، مجھے اشارہ کیا اور ہم تینوں کانفرنس سے اٹھ کر گھر چلے گئے ۔مولانا مظہر علی اظہر کو بھی گھر جانا تھا۔ ہمارے ساتھ ہی پنڈال سے نکلے تو کاوش نے ان سے گلہ کیا:

''خوب ہے مولانا! اچھی درگت بنوائی ہے!''

تیر اپنے ترکش سے نکل چکا تھا اور وہ الفاظ واپس نہیں آسکتے تھے ۔صبح کوئی دس بجے مظہر علی اظہر آگئے ۔فرمایا: چودھری صاحب یاد کرتے ہیں۔ میں نے عذر کیا کہ جو ہونا تھا ہو چکا' اب کیا رہ گیا ہے؟ واپس چلے گئے ۔تھوڑی دیر بعد چودھری برکت علی آگئے۔

''چودھری صاحب یاد کرتے ہیں!''

''کوئی کسر باقی رہ گئی ہے؟''

چودھری صاحب کو ملال ہے اور وہ خود پریشان ہیں ۔شاہ جی کو سخت ڈانٹا ہے ۔چودھری صاحب کو ان کی اہلیہ محترمہ نے رات دو بجے جگا کر سارا قصہ سنایا۔تو وہ پریشان ہوگئے ۔شاہ جی ڈاکٹر عبدالقوی لقمان کے ہاں ٹھہرے ہوئے تھے ۔چودھری صاحب صبح کی نماز پڑھ کر سیدھے ڈاکٹر عبدالقوی کے ہاں گئے ۔معلوم ہوا کہ شاہ جی نماز فجر کے فوراً بعد ریلوے اسٹیشن چلے گئے ہیں اور انہیں ابھی صبح کی گاڑی سے جہلم جانا ہے۔ چودھری صاحب بھاگم بھاگ ریلوے اسٹیشن پہنچے ۔شاہ جی کی اپنی روایت تھی کہ اُس وقت چودھری صاحب کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو رہا تھا۔ میں تاڑ گیا کہ رات کی بات سے انہیں دکھ ہوا ہے۔ میں نے ہاتھ باندھ دیئے:

''مہاتما جی'' (وہ پیار سے چودھری صاحب کو یہی کہا کرتے تھے) میں نے خود محسوس کیا ہے کہ مجھ سے غلطی ہوگئی ہے۔ معافی چاہتا ہوں ۔ میری طرف سے ابھی جا کر شورش سے معافی مانگ لو۔کل سہ پہر واپس آکر میں خود اس سے معافی مانگ لوں گا۔ چودھری صاحب غصہ میں تپے ہوئے جو کہہ سکتے تھے' کہہ گئے ۔شاہ جی نے کہا:

''افسوس ہے...... میں جذبات پر قابو نہ پا سکا۔ حضرت امیر حمزہؓ کے قاتل وحشیؓ کا ذکر کرتے ہوئے وہی نقشہ ذہن میں تازہ ہوگیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا تھا: ''وحشی! تم آتے ہو تو چچا کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ مجھے مجلس احرار کی بربادی یاد آ گئی۔''

چودھری صاحب نے غصہ میں کہا۔ اُس نے تمہارا کونسا چچا مارا ہے؟

شاہ جی کے لیے پیچھا چھڑانا مشکل ہوگیا۔ چودھری صاحب ریلوے اسٹیشن سے سیدھے میرے مکان پر آئے میں گھر میں نہیں تھا' لوٹ گئے۔ احباب کو بھیجا' میں نے ٹال دیا۔ مولانا مظہر علی اور چودھری برکت علی پہلے ہی ٹکا سا جواب پا کر چلے گئے تھے۔ اگلے دن چودھری صاحب علی الصبح تشریف لائے تو ان سے معذرت کرنا مشکل ہوگیا۔ اپنے ساتھ دفتر احرار میں لے گئے۔ شاہ جی کی معذرت کا ذکر کیا۔ خود معذرت کرتے رہے لیکن میرا دل اندر سے ہل گیا تھا۔ اپنی بے عزتی کا مجھے شدید احساس تھا۔ میں ٹال مٹول کرتا رہا۔ اتنے میں شپ سے شاہ جی آ گئے۔ میں چائے پی رہا تھا۔ پیالی ہاتھ سے چھین لی۔

''لو بھائی! تمہاری جھوٹی چائے پی کر معافی مانگتا ہوں۔ یہ ہیں میری داڑھی کے سفید بال۔ ان کا واسطہ ہے مجھے معاف کر دو۔''

......اب میرا حال یہ تھا کہ:

مجھے جینے نہیں دیتی نگاہِ شرمسار اس کی

اتنا بڑا انسان، ملک کا سب سے بڑا خطیب، خسروانہ انداز رکھنے والا درویش، شہنشاہوں سے بے نیاز، قرنِ اوّل کے مجاہدوں کی ہو بہو تصویر، فقر و استغناء کا مجسمہ' ایک ذرۂ ناچیز سے معذرت کر رہا تھا:

اس پشیمانی کے صدقے میں پشیماں ہوگیا

شاہ جی فوراً ہی بے تکلف ہو گئے:

''کیوں میاں! اب تو دل میں کوئی کدورت نہیں؟''

''جی نہیں! آپ ایک ذرہ کو آفتاب بنا رہے ہیں!''

میرا دل واقعی صاف ہوگیا۔ اس میں بال برابر غبار نہ رہا۔ میں نے شاہ جی سے ایک بات کہی اور وہ سرد آہ بھر کر گہری سوچ میں ڈوب گئے:

''میں آپ کے اس قافلے میں نو وارد ہوں۔ میں نے اس سے پہلے جو کچھ دیکھا ہے' اُس نے میری عقیدتوں کے تاج محل گرا دیئے ہیں۔ یہی فضا یہاں ملی تو میری برگشتگی قدرتی ہوگی۔ میں کسی حال میں بھی بدقماش قیادت اور بدشعار سیادت کی ہم نوائی نہیں کر سکتا۔ یہ میری فطرت کے خلاف ہے۔''

یعسوب نے بات پلٹتے ہی شاہ جی سے کہا:

''قبلہ! پان پت تو اس کی عام جلسہ میں اتاری گئی ہے لیکن معذرت تخلیہ میں فرما رہے ہیں

اس سے کوئی فائدہ نہیں؟ اور نہ یہ بات جچتی ہے۔''

شاہ جی نے کہا: ''بہت اچھا' کل کے لیے جلسۂ عام کا اعلان کر دو۔ لاہور ہمیشہ ان کی سحر بیانی کا منتظر رہتا۔ رضا کاروں نے ڈونڈی پیٹی۔ ہزار ہا لوگوں کا مجمع ہو گیا...... شاہ جی نے خطبۂ مسنونہ پڑھا۔ میں پاس ہی بیٹھا تھا۔ میرے سر پر ہاتھ رکھا اور فرمایا:

''اُس روز میرے منہ سے غصہ میں برہمی کے کلمات نکل گئے تھے۔ میں اس بھرے مجمع میں آپ سب کے سامنے آغا جی سے معافی مانگتا ہوں۔''

تمام مجمع حیران رہ گیا' کہاں شاہ جی، کہاں شورش کاشمیری! لیکن چودھری افضل حق نے انہیں سر کیا اور وہ رام ہو گئے۔ حقیقتاً احرار ان دو شخصیتوں ہی کے سحر و تاثر کا نام تھا۔ چودھری افضل حق نے یہ قافلہ مرتب کیا۔ شاہ جی اس قافلے کے حدی خوان تھے۔ ان دونوں کی سیرت نے مجھے احرار میں سمولیا اور میں اس لڑی میں پرو یا گیا۔

اس سے پہلے جن تصویروں سے میرے تصور کو ٹھوکریں لگی تھیں' ان کی شخصیتوں سے وہ زخم مندمل ہو گئے۔ چودھری افضل حق قرنِ اوّل کے اُن صحابہ کی یادگار تھے جن سے فہم و فکر اور فقر و استغناء کی راہیں روشن ہوئیں اور جو اسلام کے تاریخی تذکروں میں فخر و مباہات کی مسندوں پر فائز ہیں۔

اور شاہ جی ان صحابہ کا پر تو تھے جن کی تربیت کعبہ کی چھت پر ہوئی تھی۔ صدیاں بھی ان سے بڑا خطیب پیدا نہیں کر سکتیں۔ ان کے گرد و پیش رہ کر میرا یہ کانٹا نکل گیا کہ رہنما شخصیتیں سراب ہوتی ہیں۔ افضل حق اور عطاء اللہ شاہ' دونوں قدرت کا عطیہ تھے۔ پنجابی مسلمانوں نے ان سے کیا فائدہ اٹھایا۔ یہی کہ سومنات ان کی اذانوں سے محروم رہا۔ پتھروں میں بیج بویا، پانی دیا لیکن بیج رہ گیا، پانی بہہ گیا، آبلہ پا کانٹوں کی سیرابی کا تماشا دیکھ کر رخصت ہو گئے۔(۱)

چودھری افضل حق کا انتقال:

حافظہ کی بات ہے، وقت کا تعین مشکل ہے۔ منٹگمری جیل ہی میں اطلاع ملی کہ چودھری افضل حق کا انتقال ہو گیا ہے۔(۲) چودھری صاحب احرار کا شہ دماغ تھے۔ ان کا سیاسی حلقوں میں احترام بھی تھا اور خوف بھی' وہ ایک صحیح العقیدہ مسلمان تھے۔ نگاہ بڑی دور رس تھی۔ اس خیال پر بڑی پختگی سے قائم تھے کہ اسلام کو جو ضعف پہنچا ہے۔ اس کی ایک وجہ تو مذہب کی حقیقی روح سے مسلمانوں کی برگشتگی ہے۔ دوسری وجہ سرمایہ داری کا وجود ہے جس سے نہ صرف اسلام کی نشو و نما رک گئی ہے بلکہ عجمیوں کی سازش سے سرمایہ داری ہی اصل دین ہو گئی ہے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ جاگیرداری اور سرمایہ داری نے مسلمانوں کو ایک زبوں حال قوم بنا دیا ہے۔ وہ ایک ہی تقسیم کے قائل تھے اور وہ دولت کی منصفانہ تقسیم! سر فضل حسین نے چودھری صاحب کو شیشہ میں اتارنے کی بڑی کوشش کی برادری کا واسطہ دیا۔ مگر چودھری صاحب مختلف دل و دماغ لے کر پیدا ہوئے تھے۔ وہ ذاتی ایثار اور شخصی عظمت کے لحاظ سے قرن اوّل کے صحابہ کی نظیر تھے۔ سر سکندر حیات انہیں اپنے لیے خطرہ سمجھتے رہے۔

---

(۱) ''بوئے گل نالہ دل دودِ چراغِ محفل''۔ شورش کاشمیریؒ (۲) انتقال: ۸/جنوری ۱۹۴۲ء

حکومت کی منشا بھی یہی تھی کہ احرار ختم ہوں۔انگریزوں نے جن گروہوں کو مٹانا چاہا۔احرار اُن میں سرفہرست تھے۔کچھ ہی کہہ لیجیے پنجاب میں احرار سے بڑھ کر کوئی گروہ انگریزی استعمار کا دشمن نہیں رہا اور چودھری افضل حق تو بری طرح سامراج کے جان لیوا تھے۔ان کی صاف گوئی کا یہ حال تھا کہ کانگریس اور لیگ دونوں کے منہ پر کھری کھری کہتے۔انہوں نے اپنے آخری خطبہ میں دونوں جماعتوں کے سرمایہ داروں پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا تھا:

''لیگ کا سرمایہ دار ایک مفلوج طاقت ہے۔اس نے جو طاقت اڑائی ہے۔وہ مسلمان عوام کی طاقت ہے اور مسلمان عوام کو ہندوؤں کی معاشی ناانصافی اور مجلسی چھوت چھات سے بجا طور پر شکایت ہے۔یہی شکایت دو علیحدہ قوموں کا تصور پیدا کرتی ہے۔''

وہ کانگریس کے سرمایہ دار کو مقابلتاً زیادہ خطرناک سمجھتے تھے۔ان کا خیال تھا کہ ہندو سرمایہ دار چونکہ ایثار کرتا اور قربانی دیتا ہے۔اس لیے ملک کی حیات سیاسی کے لیے زیادہ مہلک ومضر ہے۔اس سرمایہ داری ہی نے ملک کی انقلابی طاقتوں کا راستہ روک رکھا ہے۔

......یونینسٹ وزارت برطانیہ کی سیاسی داشتہ تھی۔اُس نے احرار کو کچل ڈالا۔چودھری صاحب جیل ہی میں موت کے دروازہ تک پہنچ گئے۔دمہ الٹا آخری وقت آپہنچا تو رہا کر دیئے گئے۔آخر صحت ہی کی تلاش میں جان ہار ہوگئے۔(۱)

جولائی ۱۹۳۵ء میں قید ہوکر آخر میں رہا ہوا، ۱۹۳۶ء میں دوبارہ پکڑا گیا مہینوں اندر رہا، ۱۹۳۷ء کے شروع میں یہی معاملہ پیش آیا۔بقرعید کے دن پکڑا گیا اور ۱۹۳۸ء کا پورا سال اندر گزرا، فروری ۱۹۳۹ء میں رہا ہوا، ستمبر ۱۹۳۹ء میں سات برس کے لیے قید ہوگیا، اواخر ۱۹۴۴ء میں رہا ہوا، ۱۹۳۵ء سے ۱۹۴۴ء تک چھے سات ماہ ہوں گے جو جیل سے باہر گزارے۔ہوتا یہ رہا کہ اِدھر رہا' اُدھر قید ہوگیا۔ایک آدھ عید کے سوا دس سال کی پوری عیدیں اندر ہی گزاریں، اُس دن آدھی رات تک میں دوستوں سے ملتا ملاتا رہا۔سب سے پہلے چودھری افضل حق کے مزار پر گیا' آنسو آگئے۔(۲)

---

(۱) ''پسِ دیوارِ زنداں''۔صفحہ ۲۴۹،۲۵۰ (۲) ''بوئے گل نالۂ دل دودِ چراغِ محفل''۔صفحہ ۲۲۸